November 2026

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

جدید جاہلیت کی سنگینی

”آج ہم پھر ایک بہت بڑی جاہلیت سے دو چار ہیں، یہ جاہلیت عرب کی جاہلیت سے بھی زیادہ تاریک، زیادہ گہری اور اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، اس جاہلیت کا سرچشمہ اللہ کی حاکمیت سے بے زاری ہے جس کے لیے آج کی بڑی بڑی ایجادات اور محیر العقول مادی دریافت میں ہرگز کوئی جواز نہیں ہے، یہ جاہلیت خدا کی صفت خلق وابداع کو انسانوں کی طرف منسوب کرتی ہے، چنانچہ قدیم جاہلیت بت پرستی کی داعی تھی تو جدید جاہلیت میں ایک انسان دوسرے انسان کو خدا مانتا ہے اور اس کے سامنے سر نیاز خم کرتا ہے، قدیم جاہلیت میں فتنہ وفساد، تعصب، ظلم وجور اور قتل وخوں ریزی کی جتنی خصوصیات پائی جاتی تھیں، جدید جاہلیت میں اس سے کہیں بڑھ کر یہ چیزیں موجود ہیں، سچ ہے کہ موجودہ جاہلی زندگی میں بت پرستی اس طرح رائج نہیں ہے لیکن یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اس زندگی میں خدا اور خالق کا تصور بالکل ختم ہو چکا ہے اور وہ نجاستوں اور ناپاکیوں میں اس طرح ملوث ہو چکی ہے کہ معصیت اور شرک کی ہر بدترین شکل اس کی نظر میں دل فریب اور دیدہ زیب ہے اور وہ اس کا بڑھ کر استقبال کرتی ہے۔“ (اسلام اور مغرب: ۱۶)

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

یہ رونے کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم پر قومیں اس طرح اکٹھا ہو جائیں گی جس طرح کھانے والے لگن پر، لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہماری تعداد کی کمی کی وجہ سے؟ فرمایا: نہیں، تم بہت ہو گے لیکن تمہارا رعب ان کے دلوں سے اٹھ جائے گا، تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح ہو جاؤ گے۔ یہ تو اللہ دیکھتا ہے لیکن ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ

(۱) ان میں سے بیسیوں وہ لوگ ہیں جو کلمہ کے معنی نہیں جانتے اور شرک و توحید و رسالت کے متعلق سرے سے ان کا کوئی عقیدہ ہی نہیں، ایسے بھی ہیں جن کو کلمہ بھی یاد نہیں، ایسے کثرت سے ہیں جن کے دل میں توحید پوری طرح سے نہیں اتری، نہ شرک سے ان کو کوئی نفرت ہے، ایسے بھی کچھ کم نہیں کہ قرآن مجید کے مطابق صریح شرک و بت پرستی میں مبتلا ہیں۔

(۲) ایسے سینکڑوں ہیں جو اسلام کو بالکل نہیں سمجھتے، نہ کبھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو اسلام یا اسلامی نام، گھر کے سامان اور روایات کے ساتھ باپ دادا کے ترکہ میں ملا ہے، اس کے متعلق ان کو اور کوئی علم نہیں، وہ نہیں جانتے اللہ ان سے کیا چاہتا ہے؟ اسلام کے کیا حقوق اور شرائط ہیں؟ اسلام نے ان کی زندگی میں کوئی درستی یا فرق کیا یا نہیں؟

(۳) ایسے بہت ہیں جن کی زندگی اور موت کسی طرح اسلامی نہیں اور ان کے رسم و رواج، شادی غمی، تمدن و معاشرت، وضع قطع، نشست و برخاست، معاملات و تعلقات کسی سے بھی کوئی ان کو مسلمان نہیں سمجھ سکتا۔

(۴) ایسے اکثر ہیں جو کسی معنی میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے مفید نہیں اور ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

(۵) ایسے بہت ہیں کہ ان سے اسلام کے نام اور اس کی شہرت و عزت و کامیابی کو نقصان پہنچ رہا ہے، ان کو دیکھ کر اور ان کے ساتھ رہ کر لوگ اسلام سے بدعقیدہ اور کبھی مرتد ہو جاتے ہیں۔

(۶) بہت سے ایسے ہیں جن کو اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے اسلامی شعائر اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کے لیے مفت اور بہت تھوڑی قیمت پر ہر وقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔

(۷) ایسے بہت زیادہ ہیں جن کو اسلام کے ساتھ کوئی دلچسپی اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں، ان کو ان کی مشکلات و ضروریات کا کوئی علم نہیں، وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مسلمان کہاں کہاں بستے ہیں اور وہ ان کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟

(۸) ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں، مسلمان کہلانے سے شرماتے ہیں اور مذہب پر ہنستے ہیں۔

(۹) ایسے بہت سے ہیں جو اپنی اور مسلمانوں کی حالت پر قانع ہیں، انہیں اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور ترقی کے دیکھنے کا کہیں کوئی شوق اور ارمان نہیں ہوتا اور نہ ذلت سے کوئی تکلیف ہوتی ہے، ان کو یہ چیز کوئی غیر معمولی نہیں معلوم ہوتی۔ بہت سے ایسے ہیں کہ خود اپنی نگاہ میں ان کی کوئی عزت نہیں، وہ اپنی قیمت نہیں جانتے، اپنی تاریخ، اپنے ماضی، اپنے اسلاف اور بزرگوں سے ناواقف ہیں، وہ کسی وقت ان پر فخر اور اپنے اسلام پر شکر نہیں کرتے اور ان کو ان کی پیروی کا شوق ہے اور نہ کھوئی چیزوں کا افسوس، ان کے سامنے اسلام کا کوئی اصلی نمونہ اور اس کا کوئی بلند نخیل نہیں، اس لیے وہ سست، دل شکستہ اور مایوس ہیں۔

(۱۰) اکثر ایسے ہیں جو محض دیکھا دیکھی اور رسمی مسلمان ہیں، اس لیے نہ ان کو اسلام کا علم ہے نہ اس پر فخر و شکر ہے، نہ اس میں ان کو کوئی لطف ہے اور نہ ان کے اخلاق و اعمال پر اس کا نور و برکت و اثر ہے۔

بتائیے کہ ایسے مجمع کو دیکھ کر کیا خوشی ہو، حقیقت میں آج کل جہاں مسلمان جمع ہو جائیں وہاں عقائد و مذہب کا عجائب خانہ، دینی اور روحانی امراض کا بیمار خانہ، عیوب کا بازار لگ جاتا ہے مگر ع یہ رونے کی جا ہے تماشہ نہیں ہے‘‘ (اصلاحیات: ۱۱۹-۱۲۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۸ | نومبر ۲۰۲۶ء- جمادی الاولیٰ ۱۴۴۸ھ | شمارہ: ۱۱

فتنوں کے دور میں ہدایتِ نبویؐ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

”فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ.“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(بلاشبہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا؛ بس تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور اسے اپنی داڑھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑلو۔)

(سنن أبی داود: ٤٦٠٧)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد مکی حسنی ندوی

محمد امین حسنی ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

محمد عربی سے ہے عالم عربی (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

تقویٰ کیا ہے؟.....۴

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

تصویر کشی میں بڑھتی ہوئی بے احتیاطی.....۶

.....مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

نفقہ کے مسائل.....۹

.....مفتی راشد حسین ندوی

اہل دعوت سے چند اہم گذارشات.....۱۱

.....عبدالسبحان ناخدا مدنی ندوی

اولاد کی تعلیم وتربیت اور والدین کی ذمہ داری.....۱۳

.....محمد امین حسنی ندوی

قلب انسانی وجود کا سلطان.....۱۵

.....مولانا محمد سلمان بجنوری ندوی

الحاد کا طوفان، اسباب اور علاج.....۱۷

.....محمد نجم الدین ندوی

انبیاء کی مخالفت کا ایک بڑا سبب.....۱۹

.....ابوالحسن علی حسنی

کیمیا تاثیر ہے یہ ذرۂ ناچیز دل

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

مجھ سے ہٹ کر دیکھئے، مجھ کو بھلا کر دیکھئے
میری الفت کا فسوں کچھ دور جاکر دیکھئے

آئینہ کے جھوٹ پر ہرگز نہ کیجیے اعتبار
اپنے جلووں کو مری خلوت میں آکر دیکھئے

کیمیا تاثیر ہے یہ ذرۂ ناچیز دل
گر کسی کی یاد میں اس کو مٹا کر دیکھئے

مرگ کیف عشق ہے ہنگامہ روز وصال
دردِ الفت کا مزا فرقت میں جاکر دیکھئے

بس پس مژگاں ہی رکھے آتش سیال غم
عمر بھر کی پونجیوں کو کیوں بہا کر دیکھئے

کتنے غنچے مضطرب ہیں دل میں کھلنے کے لیے
اپنے ہاتھوں سے ذرا نشتر لگا کر دیکھئے

حسن کے ہاتھوں میں پہلے بے نوا بن جایئے
اقتدارِ عشق کا پھر لطف اٹھا کر دیکھئے

ڈھونڈیئے پھر بحر ظلمت میں مرادوں کے گہر
کشتیاں پہلے سر ساحل جلا کر دیکھئے

خشک پتھر کی رگوں میں منتظر سیرابیاں
تشنگی کی آگ سینے میں لگا کر دیکھئے

غم کے داغوں سے نہ ڈریئے، ان سے پھوٹے گی بہار
ان گلوں کو طاق ہستی پر سجا کر دیکھئے

گرمی گفتار سے جب کچھ نہ حاصل ہو سکے
بے زبانی کی زباں بھی آزما کر دیکھئے

چاہیے آسیؔ اگر لطف حیاتِ جاوداں
اپنی ہستی ان کی چوکھٹ پر فنا کر دیکھئے

بلال عبدالحی حسنی ندوی

محمد عربی سے ہے عالم عربی





حجاز مقدس عالم اسلام کا دل ہے، وہ مسلمانوں کا کعبہ ہے، ہر مسلمان وہاں سے جذباتی وابستگی رکھتا ہے اور کیوں نہ ہو وہیں مکہ ہے وہیں مدینہ ہے، جہاں کا چپہ چپہ چاہنے والے کی آنکھ کا سرمہ ہے، وہیں سے دنیا کو دین کی دولت ملی، انسانیت کی نعمت ملی، سچی زندگی کا راستہ ملا اور آج بھی مسلمان وہاں کی پاک سرزمین کو اسی نظر سے دیکھتا ہے، سعودی حکومت سے پہلے وہاں کی بدامنی اور بے اطمینانی کے حالات کو ہر مؤرخ جانتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں حکومت سعودیہ کے آنے کے بعد حالات بدلے، امن وامان قائم ہوا، بدعات وخرافات کا خاتمہ ہوا، شریعت کو دستور مملکت قرار دیا گیا لیکن تیل کے نکلنے کے بعد دولت کی فراوانی نے ایک طرف راحت وآرام کا سامان کیا تو دوسری طرف عیش وعشرت کا مزاج بنایا اور پھر مغربی تہذیب نے آہستہ آہستہ بال وپر نکالنے شروع کیے اور پھر اتنی تیزی کے ساتھ اس کا سیلاب آیا کہ عربی لباس میں دماغ مغربی بن گئے، اس وقت اصحاب فکر ودعوت نے کوششیں شروع کیں جن میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا نام نمایاں ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو بڑا احساس اور دردمند دل دیا تھا، عربوں سے مولانا کو بڑی گہری وابستگی تھی اور مولانا ان کو اسی بلند مقام پر دیکھنا چاہتے تھے جو اللہ نے ان کو اسلام سے وابستگی کی بنیاد پر عطا کیا تھا، حجاز مقدس کے سفروں کا آغاز ہوا تو مولانا نے وہاں اپنے دعوتی مشن کا بھی آغاز کیا اور خاص طور پر اصحاب اقتدار کو مولانا نے توجہ دلائی۔

ملک سعود سے لے کر ملک فہد تک مولانا سب سے ملے، خطوط لکھے اور ان کو خطرات سے آگاہ کیا، حضرت مولانا نے ہر جگہ یہ بات کہی کہ عربوں کا امتیاز دین سے وابستگی میں ہے، مولانا نے بڑے جوش سے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد عربی ﷺ سے پہلے بھی تم کچھ نہ تھے اور اگر تم نے حضور ﷺ کی ذات اقدس سے بے وفائی کی تو تم بے حقیقت ہو جاؤ گے، تمہارا امتیاز ختم ہو جائے گا، ہر عرب ملک میں مولانا نے یہی صور پھونکا اور اس وقت مولانا کی توجہ دہانی کا بڑا اثر پڑا اور حالات تھم گئے۔

ملک فیصل مرحوم خاص طور پر مولانا کے بڑے قدرداں اور مولانا کے اخلاص وزہد اور خیر خواہی کے بڑے معترف تھے اور مولانا کی نصیحتوں کا ان کی زندگی پر بڑا اثر پڑا لیکن امریکہ کی گرفت بڑھتی چلی گئی، ملک فیصل مرحوم کو شہید کرا دیا گیا اور آگے حکمرانوں نے کچھ زیادہ ہی احتیاط کی پالیسی اختیار کی پھر بھی کچھ قدریں باقی رہیں، علماء کا احترام باقی رہا، دین کی پاس داری ہوتی رہی، اس لیے کہ کہنے والے باقی تھے، وہ کہنے والے جو بڑے حکیم اور حقیقت شناس تھے، جن کا کام صرف نقد کر دینا نہیں تھا، ان کی زبان انبیاء علیہم السلام کی زبان کی ترجمان تھی: ﴿وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ﴾ (اور میں تمہارا معتبر خیر خواہ ہوں) ان کی خیر خواہانہ گفتگو کا بڑا اثر پڑتا تھا اور دین کی کچھ نہ کچھ پاس داری بھی باقی تھی۔

آج کے حالات انتہائی فکرمندی اور دعا کے ہیں، موجودہ اقتدار نے وہ حدود بھی پار کر دیے جن کا لحاظ اب تک قائم تھا، اہل دین اور اہل اقتدار میں دوریاں بڑھتی جا رہی ہیں جو بڑے خطرہ کی علامت ہے، ضرورت اس کی تھی کہ بات درد وفکر کے ساتھ پہنچتی، خیر خواہانہ اسلوب میں پہنچتی تو شاید دوریاں کم ہوتیں اور ممکن تھا کہ حالات پھر بدلتے، عالمی طاقتوں کی نگاہیں اس مبارک سرزمین پر ہیں جو مسلمانوں کے لیے ملجا وماویٰ ہے، کاش کہ اسی درد وفکر اور حقیقت شناسی کے ساتھ ہمارے علماء پھر ان اہل اقتدار سے مخاطب ہوں اور ان کو خطرات سے آگاہ کریں اور کوئی کہنے والا پھر یہ کہے کہ اگر تمہیں مضبوط اور مستحکم اقتدار چاہیے تو اس کا بھی راستہ یہی ہے کہ تم دین سے وابستگی مضبوط کرو، محمد عربی ﷺ سے سچی وفاداری کا ثبوت دو اور اس نسبت کی لاج رکھو، مسلمانوں کے دل تمہارے ساتھ ہوں گے

نہیں وجود حدود وثغور سے اس کا　　محمد عربی سے ہے عالم عربی

تقویٰ کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

تصویر کا مسئلہ:

تصاویر کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے، اس وقت اسمارٹ فون نے تصاویر کا چوپٹ دروازہ کھول دیا ہے اور موبائل سے تصویریں لینے کی ایک عام شکل بن گئی ہے، بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اس میں حرج کی کوئی بات نہیں، تاہم یہ ایسی چیزیں ہیں جن میں بہتر صورت یہ ہوتی ہے کہ ایسے کام بے ضرورت بالکل نہ کیے جائیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ دین دار گھرانوں میں بھی یہ باتیں عام ہوگئی ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے تصویریں وغیرہ اتارتے نظر آتے ہیں اور اس کے متعلق لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اب تو ابتلاء عام ہے، اس میں حرج کی کوئی بات نہیں ہے، یہ ایسا مسئلہ ہے جو شروع سے اختلافی رہا ہے، بہت سے حضرات اس کو یہ کہہ کر جائز کہتے تھے کہ یہ تصویر گری نہیں ہے بلکہ حقیقت میں یہ عکس ہے، اس لیے جو لوگ اس کو تصویر گری کہتے ہیں وہ ناجائز مانتے ہیں اور جو عکس کہتے ہیں وہ جائز سمجھتے ہیں۔

روایات میں ''مضاھات لخلق اللہ'' کی جو بات آتی ہے، اس کو سامنے رکھ کر جواز کا فتویٰ دینے والے حضرات یہ بات کہتے ہیں کہ موبائل کے ذریعہ تصویر گری میں مضاھات کی صورت ہی نہیں ہوتی، اس میں تو اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق کا آدمی عکس لیتا ہے نہ کہ تصویر بناتا ہے، اس لیے مضاھات کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے برعکس بعض حضرات اس کو عکس نہیں مانتے بلکہ تصویر گری بتاتے ہیں۔ حاصل یہ کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ رہا ہے، بہت سے لوگ اس کو شدت کے ساتھ منع کرتے ہیں، علماء عرب اس کو جائز قرار دیتے ہیں اور علماء ہند اس کو ناجائز کہتے ہیں۔

یہ ایک عجیب فرق ہے، بہت سی چیزوں کو یہاں کے لوگ جائز سمجھتے ہیں اور علماء عرب اس کو ناجائز سمجھتے ہیں جیسے تمباکو وغیرہ، جب کہ یہاں کے لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں، دراصل یہ اپنے اپنے ذوق وفہم کی بات ہے اور اپنا اپنا استدلال بھی اس کی ایک بڑی بنیاد ہے۔

تقویٰ کی زندگی:

غور کی بات یہ ہے کہ وہ چیزیں جن کے متعلق بہت سے لوگ جواز کے قائل ہوں اور بہت سے لوگ عدم جواز کے، ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ آدمی جہاں تک ممکن ہو سکے پرہیز کرے اور کم از کم اس کا بے ضرورت زیادہ استعمال نہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے حدیث میں یہ بات فرمائی کہ تم ان چیزوں کو چھوڑ دو جن میں حرج محسوس نہیں کیا جاتا، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ان چیزوں سے بچ جاؤ گے جن میں حرج محسوس کیا جاتا ہے اور حرج ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اس کا دوسرا فائدہ یہ بھی بتایا کہ تم متقین میں شمار کیے جاؤ گے، فرمایا:

”لا یبلغ العبد أن یکون من المتقین حتی یدع ما لا بأس به حذراً لما به بأس.“

(سنن الترمذی: ۲٤٥١)

(بندہ اس وقت تک متقی لوگوں میں شامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو بھی نہ چھوڑ دے جن میں کوئی حرج نہیں، اس خوف سے کہ کہیں وہ ایسی چیز میں مبتلا نہ ہوجائے جس میں حرج ہے۔)

معلوم ہوا کہ یہ اصل تقویٰ کی زندگی ہے، فتویٰ کی زندگی اور ہے، تقویٰ کی زندگی اور ہے، کسی کام کے متعلق فتویٰ یہ ہے کہ ٹھیک ہے، جائز ہے، کر سکتے ہیں لیکن اگر آدمی اس میں توغل کرتا چلا جاتا

ہے، آگے بڑھتا چلا جاتا ہے تو بہر حال یہ ڈر پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ان چیزوں میں داخل نہ ہو جائے جو شاید فتویٰ کی رو سے بھی جائز نہ ہوں، پھر نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ بعض مرتبہ آدمی فتویٰ بھی نہیں پوچھتا، وہ یہ سوچ لیتا ہے کہ میں نے پہلے جب پوچھا تھا تو اس وقت کسی قدر جائز بتا دیا گیا تھا۔ اس کے نتیجہ میں نہ جانے کیسے کیسے واقعات سامنے آتے ہیں، لکھنؤ کا ایک پرانا واقعہ ہے، ایک جگہ ہوٹل میں تحقیق ہوئی تو پتہ چلا کہ کتے کا گوشت کاٹ کر پکایا جاتا تھا، دراصل انھوں نے اس بات کو اپنے مفہوم لے لیا کہ ذبیحہ ہونا چاہیے، جب کہ حلال وحرام کا علم ہونا بھی تو ضروری ہے، اگر آدمی اسی طرح حرام مال پیٹ میں ڈالتا رہے گا تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ جو جسم پروان چڑھے گا حرام گوشت اور حرام غذا سے تو اس میں کہاں سے برکت پیدا ہوگی اور کہاں سے اللہ کی مدد شامل حال ہوگی؟!

وراثت کی تقسیم کا بھی یہی مسئلہ ہے، اس میں بھی عام طور سے بہت بے احتیاطیاں ہوتی ہیں، ایک مشترک باغ ہے، اس میں آدمی سوچتا ہے کہ کیا حرج ہے، وہ گیا اور اس نے پھل کھا لیا، یا پھل لایا اور دوسرے شرکاء سے پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی، یہ بھی نامناسب بات ہے۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی والدہ کے بھائی کا قصہ ہے، ان کا ایک مشترک باغ تھا، وہاں کوئی ایک پھل گرتا تھا تو وہ اس کو اٹھا کر لاتے تھے اور اپنی بہن سے پوچھتے تھے کہ کیا ہم اس کو کھالیں؟ وہ کہتی تھیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں، آپ کھالیں، لیکن وہ کہتے کہ اس میں تمہارا بھی حصہ ہے اور تم سے پوچھنا بھی ضروری ہے۔

ظاہر ہے یہ احتیاط کی بات ہے اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے، اگر اس کا خیال رکھا جائے گا اور ان چیزوں میں جن کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ اتنا تو ٹھیک ہے اور چلتا ہے، اگر ان کو چھوڑ دیا جائے گا تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ان چیزوں سے بچنا آسان ہو جائے گا جن میں حرج ہے اور وہ جائز نہیں ہیں، پھر تقویٰ کی صحیح زندگی کا اختیار کرنا بھی انشاء اللہ آسان ہو جائے گا۔

موجودہ دنیا کا سب سے بڑا مذہب

مولانا محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

''ہماری موجودہ دنیا کے متعلق آج جو بھی کہا جائے اور لکھا جائے اس میں شبہ نہیں کہ اس کا سب سے بڑا مذہب ''نفس پرستی'' اور اس کا سب سے بڑا پیر ''شکم'' ہے اور یہ ایسا بین الاقوامی پیر ہے کہ اس کا حلقہ ارادت مشرق ومغرب اور عرب وعجم ہر جگہ پھیلا ہوا ہے اور اس کا سکہ ہر ملک میں رواں ہے، اس نے بہت سے چھوٹے چھوٹوں پیروں مثلاً: قومیت، آمریت، رنگ ونسل اور زبان ووطن کے پجاریوں کو اپنی بساط بچھانے اور اپنا حلقہ بنانے کی اجازت ضرور دے رکھی ہے لیکن اس شرط پر کہ سب اس کے ماتحت بن کر رہیں اور اسی سے ''کسب فیض'' کریں اور ہر فائدہ وآمدنی میں اس کو مقدم رکھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سوسائٹی کی نظروں سے وہ معیار اوجھل ہو گئے ہیں جو اس ہمہ گیر مذہب اور اس کے سب سے بڑے پادری یا پروہت کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے تھے اور اس کے سارے اثرات (جس کو ہم اپنی زبان میں معیار زندگی کی بلندی، بہتر اقتصادیات، مادی ترقی اور معاشی خوش حالی جیسے خوش نما ناموں سے تعبیر کرتے ہیں) سے آزاد ہو کر اپنے عمل سے یہ اعلان کرتے تھے کہ انسانیت صرف اچھا کھانے، اچھا پہننے اور اچھے مکان میں رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی ایسی ضرورت ہے جس کی تکمیل قدر وشکر گذاری اور اطمینان کے ساتھ ہونی چاہیے۔''

تصویر کشی میں بڑھتی ہوئی بے احتیاطی



مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک اہم صفت ''مصور'' یعنی صورت گر ہونا ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو صرف جسم ہی نہیں دیتے، اس کے مناسب حال صورت بھی عطا فرماتے ہیں جس سے چیزیں اور شخصیتیں پہچانی جاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے کہ اگر انسان ٹھنڈے دل سے غور کرے تو یہی ایک بات اس کے ایمان لانے کے لیے کافی ہے پھر ایسا نہیں ہوا کہ تمام چیزوں کو ایک ہی شکل دے دی گئی بلکہ ہر قسم کی الگ الگ شکل ہے اور اس کے تحت آنے والے ہر فرد کی بھی الگ شکل ہے، صورت گری کا یہ کمال انسان کے اندر تو بالکل ظاہر ہے کہ ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہونے والے ہر بچہ کی شکل الگ ہوتی ہے، رنگ میں بھی فرق ہوتا ہے، ناک نقشہ میں بھی اور قد وقامت میں بھی لیکن یہ صرف انسان ہی پر موقوف نہیں، ہاتھی، شیر، چیتا، بیل اور بکری وغیرہ، ہر جاندار کو الگ الگ صورتوں سے نوازا گیا ہے پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ تمام بکریاں ایک ہی صورت کی ہوں کہ پہچانی نہ جاسکیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں بھی ایسا فرق رکھا گیا ہے کہ ہزاروں کی بھیڑ میں جانور کا مالک اپنے جانور کو پہچان لیتا ہے، قدرت کا یہی اعجاز درختوں، پھولوں اور پھلوں میں بھی موجود ہے اور اسی تنوع کی وجہ سے انھیں بہ آسانی پہچان لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اس کی قدرت کے ساتھ ساتھ اس کی وحدانیت کی بھی روشن اور واضح دلیل ہے؛ مگر انسان نے اپنی احسان ناشناسی اور ناشکری کی وجہ سے اسی کو شرک جیسے گناہ کا ذریعہ بنالیا اور انسانوں و جانداروں کی مورتیاں بنا کر ان کی پرستش شروع کردی، شریعت محمدی چوں کہ اللہ کی طرف سے اتاری جانے والی آخری شریعت ہے، آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کوئی کتاب نازل ہوگی، اور نہ کوئی اور شریعت انسانیت کے لئے بھیجی جائے گی؛ اس لئے اس بات کا خصوصی اہتمام فرمایا گیا کہ جو چیزیں دوسری قوموں میں مشرکانہ افکار کے پھیلنے کا سبب بن گئی تھیں، اس دین متین میں ان کو منع کردیا جائے اور وہ دروازے بند کردیئے جائیں جو انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتے رہے ہیں جیسے پچھلی شریعتوں میں بطور تعظیم کے اپنے بڑوں کو سجدہ کرنے کی اجازت تھی جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

(جامع البیان: ۱۳/۳۵۶)

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔

(سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۸۵۳)

رب کے معنی پروردگار کے ساتھ ساتھ مالک کے اور عبد کے معنی بندہ کے ساتھ ساتھ غلام کے بھی ہیں، اس دوسرے معنی کے لحاظ سے غلام اپنے آقا کو رب اور آقا اپنے غلام کو عبد کہا کرتے تھے، آپ ﷺ نے اس تعبیر سے منع فرمادیا اور تلقین فرمائی کہ مالک کو سید اور غلام کو مولیٰ کہا جائے۔ (مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۴۹)

اسی طرح کے احکام میں تصویر کا مسئلہ بھی آتا ہے، قرآن مجید سے اشارہ ملتا ہے کہ گزشتہ اقوام میں مجسمہ سازی اور تصویر کشی کی اجازت تھی جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے جنات مجسمے بنایا کرتے تھے۔

(سورۂ سبا: ۱۳)

لیکن شریعت محمدی میں تصویر کشی کو شدت کے ساتھ منع فرمادیا

گیا کیوں کہ یہ صورت گری اور تصویر سازی آہستہ آہستہ شرک کا سبب بن جاتی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا جو تصویر بنائے؛ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فعل تخلیق کی نقل کرتا ہے:

"أشد الناس عذاباً عند الله يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله" (مسلم، حديث: ۲۱۲۷)

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہوتی ہے، اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے:

"إن البيت الذى فيه الصور لا تدخله الملائكة" (بخارى، حديث: ۲۱۰۵)

اس لئے اصول طور پر یہ بات متفق علیہ ہے کہ تصویر کشی حرام ہے؛ البتہ احادیث، صحابہ کے آثار اور احکام شریعت کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے بعض تفصیلات میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے، امام مالکؒ کے نزدیک سایہ دار تصویر یعنی اسٹیچو بنانا حرام ہے، اور بے سایہ تصویریں جو کاغذ یا کپڑے پر بنائی جائیں، مکروہ ہیں؛ پس سایہ دار تصویر کے حرام ہونے پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے، اور بڑی حد تک یہ اجماعی مسئلہ ہے، افسوس کہ بعض مسلم ملکوں میں ڈکٹیٹر حکمرانوں نے اپنی مجسمے نصب کرائے۔

جو تصویریں سایہ دار نہ ہوں، کاغذ پر، کپڑے پر، دیوار وغیرہ پر بنائی گئی ہوں، ان کے سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض فقہاء اس کو بالکل حرام قرار دیتے ہیں، یہی زیادہ تر اہل علم کی رائے ہے، امام مالکؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اور فقہاء احناف میں متاخرین نے اسے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، اور مکروہ تحریمی بھی قریب بہ حرام ہوتا ہے؛ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

''شوافع اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ جاندار کی تصویر سخت حرام ہے، یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور یہ ان شدید وعیدوں کے مصداق میں سے ہے جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے، چاہے یہ ایسی چیز پر بنائی جائے جس کا احترام نہیں کیا جاتا ہے، یا قابل احترام چیز پر بنائی جائے، ہر حال میں حرام ہے؛ چاہے وہ کپڑے پر ہو، یا بستر پر یا درہم و دینار پر یا برتن اور دیوار وغیرہ پر؛ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی مشابہت اختیار کرنا ہے۔''

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب تصویر کسی بھی چیز پر نقش ہوجائے تو پھر وہ حرام کے دائرہ میں آجاتی ہے۔

پہلے زمانہ میں تصویر ہاتھوں سے بنائی جاتی تھی اور اس کے لئے اعلیٰ درجہ کے ماہرین ہوتے تھے، پھر تصویر کی ایک نئی صورت کا آغاز ۱۸۱۶ء میں ہوا اور اس نے ترقی کرتے کرتے بیسویں صدی کے شروع میں اس وقت بہت عموم حاصل کرلیا، جب ۱۹۱۳ء میں تصویر کھینچنے والا کیمرہ وجود میں آیا، کیمرہ کی تصویر آنے کے بعد اہل علم کے درمیان اختلاف پیدا ہوا کہ یہ ہاتھوں سے بنائی جانے والی تصویر ہی کے حکم میں ہے اور حرام ہے یا اس تصویر کے حکم میں نہیں ہے؟ جمہور علماء نے اسے حرام قرار دیا، سعودی عرب کے مفتیان میں شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخؒ، شیخ عبدالعزیز ابن بازؒ، مشہور عالم حدیث شیخ ناصر الدین البانیؒ اور بیشتر علماء نے اسے ناجائز قرار دیا، برصغیر میں تو دو چار کو چھوڑ کر سبھوں نے اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا، یہاں تک کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ جو ایسے مسائل میں متوسع سمجھے جاتے ہیں، انھوں نے بھی اسے ناجائز ہی کہا اور بعض اہل علم جو ابتداء جواز کے قائل تھے، انھوں نے بھی اپنی اِس رائے سے رُجوع کرلیا جیسے علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

لیکن علماء مصر نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا، جن میں علامہ محمد بخیت مطیعی حنفیؒ اور مفتی اعظم مصر حسنین مخلوفؒ سرفہرست ہیں، پھر بیشتر علماء عرب نے اسی نقطہ نظر کو اختیار کرلیا، روایتی کیمرہ کی تصویر کے بعد تصویر کی دنیا میں ایک بڑا انقلاب آیا اور ڈیجیٹل کیمرہ کی ایجاد ہوئی جس میں الکٹرانک ذرات مل کر کسی چیز کی شکل اختیار کرتے ہیں اور جب انھیں اسکرین سے ہٹادیا جاتا ہے تو یہ ذرات

بکھر جاتے ہیں، پھر دوبارہ ڈیجیٹل آلہ انھیں جمع کرتا ہے، سوال پیدا ہوا کہ کیا اس پر تصویر کا اطلاق ہوگا یا یہ اس عکس کی طرح ہے، جو آئینہ کے سامنے کھڑے ہوتے وقت نظر آتا ہے؟ اس سلسلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف پیدا ہوا، برصغیر میں علماء کی بڑی تعداد باعتبار فتویٰ کے ابھی بھی اسے حرام کہتی ہے؛ لیکن علماء عرب اور برصغیر کے بعض چوٹی کے فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے، کچھ لوگوں نے اسے اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ اس پر تصویر کی فقہی تعریف صادق نہیں آتی اور کچھ لوگوں نے اس نقطہ نظر سے کہ موجودہ دور میں یہ ابلاغ کا نہایت اہم اور مؤثر ذریعہ ہے جس کا منکرات کی ترویج، مخالف اسلام افکار کی اشاعت اور اسلام اور مسلمان کے خلاف پروپیگنڈوں کے لئے استعمال کیا جارہا ہے؛ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اسلام کی دعوت اور دین حق کے دفاع کے لئے اس کا استعمال کریں، راقم الحروف کے خیال میں برصغیر کے بیشتر علماء نے اسی پہلو کو سامنے رکھ کر اس میں توسع کا راستہ اختیار کیا ہے۔

لیکن بہت سی دفعہ کسی حقیقی ضرورت اور واقعی مجبوری کے تحت جو توسع اختیار کیا جاتا ہے، اس میں شرائط وقیود کی سرحدیں ٹوٹتی جاتی ہیں اور اس کے استعمال میں بے احتیاطی آخری حدیں پار کر لیتی ہیں، تصویر کے معاملہ میں بھی کچھ یہی صورت حال پیدا ہورہی ہے، اہل سیاست اور اہل دنیا سے کیا شکایت کیجئے کہ ان کے یہاں تو حلال وحرام کی کوئی سرحد ہی نہیں ہے؛ لیکن ان لوگوں کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے، جو دینی خدمتیں انجام دیتے ہیں، دینی تعلیمی ادارے چلاتے ہیں، مقتدائے قوم وملت ہیں اور انھیں شریعت اسلامی کا ترجمان سمجھا جاتا ہے کہ ان کے یہاں بھی تصویر کے معاملے میں بڑی بے اعتدالی اور بے احتیاطی کی روش سامنے آرہی ہے، نیز عوام ان کے قول وفعل کے درمیان ایک تضاد سا محسوس کرتے ہیں۔

اس بات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاً تو آج بھی اہل علم کی ایک معتد بہ تعداد ہر طرح کی تصویر کو ناجائز ہی قرار دیتی ہے لیکن اگر ہم ان حضرات کی بات کو قبول کرلیں، جن کے نزدیک ڈیجیٹل فوٹوگرافی پر تصویر کشی کا اطلاق نہیں ہوتا تب بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ روایتی کیمرہ یا ڈیجیٹل کیمرہ سے لی گئی تصویر کاغذ، کپڑے، پلاسٹک کی شیٹ، دیوار، گلاس، اور اس طرح کی چیزوں پر نقش ہوجائے تو پھر اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اب اس کی گنجائش کسی اہم ضرورت ہی کے لئے ہوسکتی ہے جیسے پاسپورٹ، ویزا، آدھار کارڈ، اسکول میں ایڈمیشن وغیرہ یا کسی ملی مصلحت کے لئے جیسے ریلی اور جلسہ کی تقریر تاکہ یہ بات باور کرائی جائے کہ مسلمانوں یا ہم وطنوں کی بڑی تعداد ہمارے موقف کے ساتھ ہے۔

مگر اب اس وقت صورت حال یہ ہے کہ پہلے تو اخبار میں خبروں کے ساتھ تصویریں آتی تھیں، اب دینی جلسوں وغیرہ کے اشتہار میں بھی ادارہ کے ذمہ دار اور مقررین کی تصویریں شائع کی جاتی ہیں، پھر یہ جذبہ تشہیر اور آگے بڑھا اور جلسوں کے پوسٹر جن میں صرف تحریر ہوا کرتی تھی، اس میں بھی مقررین کے چہرے چھپنے لگے، پہلے صرف سیاسی پارٹیاں ایسے بینر شائع کرتی تھیں، اب مذہبی تنظیمیں بھی کرنے لگیں، پھر ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے بعض علماء اخبارات میں اپنے مضامین اس طرح شائع کرانے لگے کہ اس میں ان کے نام کے ساتھ ساتھ ان کی تصویریں بھی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہوتی ہیں، بات اس سے بھی آگے نکلی اور دینی حلقہ کے بعض مصنفین نے اپنی کتابوں کے سرورق پر تصویریں شائع کرنا شروع کردیں، یا اگر کسی شخصیت پر قلم اُٹھایا، یا کسی صاحب علم کا تذکرہ مرتب کیا تو اس پر صاحب تذکرہ کی تصویر طبع کردی، یہ صورت حال بہت ہی قابل توجہ ہے، قول وفعل کا تضاد بے اعتباری پیدا کرتا ہے، اور علماء کے بارے میں عوام میں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں؛ اس لئے اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے اور علماء وخواص کو اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ان کا عمل لوگوں کے لئے سنگ میل کا کام کرتا ہے، اور لوگ ان کو دیکھ کر سفر زندگی کی راہیں متعین کرتے ہیں!



نفقہ کے مسائل



مفتی راشد حسین ندوی

نفقہ کے لغوی واصطلاحی معنی:

لغت میں نفقہ اس مال کو کہتے ہیں جس کو کوئی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے، یہ لفظ ''نفوق'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہلاک اور ختم ہونے کے ہوتے ہیں اور اصطلاح میں نفقہ کھانا کپڑا اور رہائش کو کہتے ہیں۔ (شامی:۳/۵۷۱-۵۷۲)

نفقہ واجب ہونے کے اسباب:

نفقہ واجب ہونے کے شرعی اعتبار سے تین اسباب ہیں:

(۱) زوجیت؛ چنانچہ بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے۔

(۲) قرابت؛ جیسے اولاد، ماں باپ اور بھائی بہن کا نفقہ۔

(۳) ملکیت؛ یعنی غلام باندی اور زیر ملکیت جانوروں کا نفقہ، ذیل میں ہم تینوں اسباب کی کچھ تفصیل بیان کررہے ہیں۔

(شامی:۳/۵۷۲)

بیوی کا نفقہ:

شوہر پر اس کی بیوی کا نفقہ واجب ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا کتابی (عیسائی، یہودی) ہو، غریب ہو یا مال دار ہو، اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، بالغ ہو یا ایسی نابالغ ہو جس سے جماع کرنا ممکن ہے۔

(ہندیہ:۱/۵۴۴)

بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہونے کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور احادیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا شوہروں کو ہدایت دیتے ہوئے ارشاد ہے:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم...﴾(الطلاق: ٦-٧)

(ان عورتوں کو رہنے کے لیے گھر دو جہاں تم خود رہتے ہو، اپنی وسعت کے مطابق اور ان کو تکلیف مت پہنچاؤ تاکہ ان پر تنگی کرو (آگے ہے) ہر وسعت والے کو اپنی وسعت کے بقدر خرچ کرنا چاہیے اور جس کی روزی تنگ ہو تو وہ جو بھی اللہ نے اسے عطا کیا اسی میں سے خرچ کیا کرے۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

(البقرة: ٢٣٣)

(اور باپ پر ان عورتوں کا کھانا کپڑا معروف طریقہ پر لازم ہے۔)

اسی طرح کئی احادیث میں بھی بیوی کے نفقہ کے لازم ہونے کا حکم اور ہدایت دی گئی ہے، چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات کے طویل اور مشہور خطبہ میں کئی ہدایات دیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف"(مسلم، كتاب الحج، باب حجة النبى ﷺ : ١٢١٨)

(اور ان بیویوں کا نان نفقہ اور کپڑا تمہارے اوپر لازم ہے۔)

اور حضرت ہندہ نے جب اپنے شوہر حضرت ابوسفیان کے بخل اور خرچ نہ دینے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:"خذى ما يكفيك وولدك بالمعروف"(البخارى، كتاب النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل: ٥٣٦٤) (جو تمہارے اور تمہارے بیٹے کے لیے کافی ہو اس کو عرف کے مطابق لے لیا کرو۔)

حدیث شریف میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ اگر صحیح نیت کے ساتھ اور ثواب کی امید کے ساتھ بیوی کا خرچ اٹھایا جائے تو اسے صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے، چنانچہ حضرت ابومسعود انصاریؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''جب مسلمان ثواب کی نیت سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔''

(البخارى، باب النفقات: ٥٣٥١، مسلم: ١٠٠٢)

اب ہم ذیل میں بیوی کے نفقہ سے متعلق چند مسائل کا ذکر کر رہے ہیں:

۱- جب بیوی بلاوجہ رخصتی سے انکار کرے یا شوہر کی اجازت کے بغیر گھر چھوڑ کے چلی جائے تو اس کو ناشزہ (نافرمان) قرار دیا جائے گا اور وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی، لیکن اگر بیوی رخصتی کے لیے تیار ہو لیکن شوہر اس کو رخصت نہ کرائے تو وہ ناشزہ نہیں ہے، اسے نفقہ کا حق حاصل ہوگا۔ (شامی: ۳/ ۵۷۵، ہندیہ: ۱/ ۵۴۵)

۲- اگر بیوی اپنے کسی حق کے نہ ملنے کی وجہ سے رخصتی سے انکار کرے مثلاً: مہر معجّل (نقد مہر) وصول نہ ہونے کی وجہ سے رخصتی سے انکار کرے تو وہ ناشزہ نہیں مانی جائے گی اور اس کو نفقہ دینا ہوگا۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۴۵)

۳- اگر بیوی شوہر کے گھر میں ہو، لیکن جماع پر شوہر کو قدرت نہ دے تو وہ ناشزہ نہیں ہے لہٰذا نفقہ کی مستحق ہوگی لیکن بلاوجہ جماع سے روکنا گناہ کا کام ہے۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۴۵) چنانچہ کئی احادیث میں اس کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

۴- اگر بیوی اس گھر کی مالک ہو جس میں وہ شوہر کے ساتھ رہتی ہے اور شوہر کو گھر میں نہ آنے دے تو وہ ناشزہ کے حکم میں ہوگی اور اسے نفقہ کا حق نہیں ہوگا۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۴۵، شامی: ۳/ ۵۷۷)

۵- اگر شوہر کسی جرم میں جیل میں بند ہو جائے تو اس کی بیوی بچوں کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور اگر بیوی جیل چلی جائے تو اگر شوہر کا اس کے پاس تنہائی میں ملنا ممکن ہو تو نفقہ رہے گا ورنہ ساقط ہو جائے گا۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۴۵)

۶- اگر شوہر اور بیوی دونوں کم عمری کی وجہ سے جماع پر قدرت نہ رکھتے ہوں تو شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۴۶)

۷- اگر بیوی بڑی عمر کی ہو اور شوہر اتنی چھوٹی عمر کا ہو کہ جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو یا شوہر عنین (نامرد) یا مجبوب (عضو تناسل کٹا ہوا) ہونے کی وجہ سے جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا، اس لیے کہ کمی عورت کی طرف سے نہیں ہے مرد کی طرف سے ہے اور وجوب نفقہ کا سبب یعنی نکاح کے ذریعہ بیوی کو روک لینے کا حق پایا جا رہا ہے۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۴۶)

۸- اگر بیوی پاگل ہو یا رتقاء یا قرناء (شرم گاہ کی ایسی حالت جس کے ساتھ جماع ممکن نہیں ہوتا) ہو اور اس کی رخصتی ہوگئی ہو یا رخصتی نہ ہوئی ہو لیکن بیوی کی طرف سے رخصتی کا انکار نہ ہوا ہو تو وہ نفقہ کی مستحق ہوگی، یہی حکم ان تمام عورتوں کا بھی ہے جن سے عمر زیادہ ہو جانے یا کسی بیماری ہو جانے کی وجہ سے جماع ممکن نہ ہو۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۴۶)

۹- جب وہ شوہر کے ساتھ حج کے لیے جائے تو نفقہ کی مستحق ہوگی، لیکن اگر شوہر کے بغیر جائے تو خواہ محرم کے ساتھ جائے یا محرم کے بغیر جائے، نفلی حج کے لیے جائے یا حج فرض کے لیے جائے، مفتی بہ قول کے مطابق وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۴۶، شامی: ۳/ ۵۷۹)

نفقہ میں کیا چیزیں شامل ہیں؟

نفقہ میں وہ چیزیں شامل ہیں جن کی عرف کے مطابق عورت کو ضرورت پڑ سکتی ہے مثلاً: کھانے کے لیے آٹا پانی نمک، پکانے کے لیے لکڑیاں یا گیس، سر میں لگانے کے لیے تیل کنگھی، صفائی کے لیے صابون، گرمی اور سردی کے مطابق لباس، ایسی رہائش جس میں دوسروں کی دخل اندازی کے بغیر میاں بیوی رہ سکیں، جہاں تک تعلق ہے میک اپ کے سامان کا تو وہ شوہر پر لازم نہیں ہے البتہ بہتر ہے کہ شوہر مہیا کر دے۔ (ہندیہ: ۱/ ۵۴۹)

نفقہ کس کے اعتبار سے دیا جائے گا؟

اگر میاں بیوی کے مالی حالات میں تفاوت ہو تو شوہر کی مالی حالات کے اعتبار سے نفقہ مقرر کیا جائے گا، البتہ اگر عورت کسی ایسے خاندان سے ہو جہاں گھر کی عورتیں گھریلو کام انجام نہیں دیتیں، تو شوہر پر لازم ہوگا کہ یا بیوی کے لیے خادم کا انتظام کرے یا اسے پکا پکایا کھانا مہیا کرے لیکن اگر عورت امور خانہ داری انجام دے سکتی ہے تو ان کو انجام دینا اس پر دیانۃً لازم ہوگا، (قضاءً لازم نہیں ہوگا۔) (شامی: ۳/ ۵۷۹)



اہل دعوت سے چند اہم گذارشات

عبدالسبحان ناخدامدنی ندوی



پیام انسانیت کی دعوت دعوتِ رحم ہے، یہ دعوت دعوتِ احسان ہے، یہ دعوت دعوتِ نصرت ہے، یہ دعوت گویا ایک دوسرے کو قریب کرنے کی دعوت ہے، یہ اس بات کی دعوت ہے کہ انسان انسانیت کی بنیاد پر، ملک کی بنیاد پر اور اللہ نے نفع رسانی کی جو کیفیت رکھی ہے' اس کی بنیاد پر، انسان انسان سے جڑنے والا بن جائے اور انسان انسان کا کام آنے والا بن جائے۔

اللہ کی طرف سے تمام مسلمانوں کو اس کام کا حکم ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت سارے مقامات پر اہل ایمان کے لیے تمام انسانوں کی خیر خواہی کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسۡنٗا﴾(البقرة: ۸۳)

(اور لوگوں سے بہترین انداز سے بات کرو۔)

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَقُل لِّعِبَادِيَ يَقُولُواْ ٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ﴾(الإسراء: ۵۳)

(اور میرے بندوں سے فرما دیجیے کہ وہ وہی بات کہیں جو بہتر ہو)

ان آیات سے یہ پتہ چلا کہ حقیقت میں ہم سب سے بہتر کام کرنے کے لیے، سب سے بہتر بات بتانے کے لیے اور پوری انسانیت کے سامنے اپنے آپ کو سب سے بہتر طریقہ پر نمایاں کرنے کے لیے اور اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اس دنیا میں برپا کیے گئے ہیں۔ ہمیں کام بھی بہت زیادہ کرنا ہے، ہمیں جدوجہد بھی بہت زیادہ کرنی ہے اور بہتر سے بہتر جو طریقے ہیں ان طریقوں کو ہمیں اپنانا ہے، ارشاد ہے:

﴿ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلۡمَوۡتَ وَٱلۡحَيَوٰةَ لِيَبۡلُوَكُمۡ أَيُّكُمۡ أَحۡسَنُ عَمَلٗا﴾

(الملك: ۱)

(جس نے موت وزندگی کو اس لیے پیدا کیا تا کہ وہ تمہیں آزما کر دیکھے کہ تم میں کون عمل میں زیادہ بہتر ہے۔)

ضرورت ہے کہ کام کے بہتر سے بہتر طریقہ ڈھونڈے جائیں، محبت' آدابِ محبت خود سکھا دیتی ہے، یہ کام انشاء اللہ کام کا سلیقہ اور کام کا طریقہ خود سکھا دے گا لیکن اس کے لیے ہم اپنے آپ کو اس پر قربان کرنے والے، آگے بڑھنے والے، خالص اللہ رب العزت کی رضامندی حاصل کرنے والے، کام سمجھ کر آگے بڑھنے والے بن جائیں، ہمارے اندر اس طرح کی کیفیات ہوں، باہم ایک دوسرے کے ساتھ ایک سچا تعلق ہو جو کارکنان میں ہوتا ہے، اسلام نے جتنے حقوق دیے ہیں وہ اتنے ہیں کہ مزید کسی اور حق کی ضرورت نہیں ہے اس کو تازہ رکھنے کے لیے اللہ نے یہ بات فرمائی:

﴿وَلَا تَنسَوُاْ ٱلۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ﴾(البقرة: ۲۳۷)

(اور آپس کے احسان کو بھول مت جاؤ۔)

معلوم ہوا کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان کے معاملہ کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ رب العزت نے جو دنیا بنائی ہے اور اس میں جن کو پیدا کیا ہے ان میں عام طور پر تھوڑے انسان وہ ہوتے ہیں جو بہت ذہین ہوتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ جتنے ذہین ہوتے ہیں اتنے ہی کمزور ہوتے ہیں، لگ بھگ ۲۰ر فیصد اگر ذہین لوگ ہیں تو ۲۰ر فیصد کمزور لوگ ہیں اور لگ بھگ ۶۰ر سے ۷۰ر فیصد لوگ متوسط درجہ کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے جن لوگوں کے اندر ذہانت پائی جاتی ہے، جن کے اندر قوت پائی جاتی ہے، جن کے اندر طاقت پائی جاتی ہے، ان کے کاموں میں شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ان کو تکبر کے اندر مبتلا

کرتا ہے، آدمی کے اندر ایک خاص قسم کا تکبر آجاتا ہے کہ کام ہم کررہے ہیں، اسی لیے جب بھی انسان روزانہ صبح کی نماز پڑھے تو ہزار دفعہ اللہ کی پناہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ متکبر نہ بنائے، شیطان متکبر تھا تو اس کا انجام قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے صاف صاف بیان فرمادیا:

﴿قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ﴾(الأعراف: ۱۳) (فرمایا یہاں سے اتر جا یہاں تو تکبر نہیں کرسکتا بس نکل جا یقیناً تو ذلیل ہے۔)

دین اسلام میں تکبر کو بالکل پسند نہیں کیا گیا بلکہ حضور ﷺ کا پیغام تو یہ ہے کہ ''تمہاری جو مدد ہوتی ہے اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے وہ تمہارے کمزوروں ہی کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔''

آدمی کماتا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوتے ہیں، آدمی سمجھتا ہے کہ میں انہیں کما کر کھلا رہا ہوں، جب کہ حقیقت میں وہ بچے کما کر کھلا رہے ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہ کمزور ہیں، ان پر نگاہ رکھ کر اللہ تعالیٰ باپ کی مدد کرتا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ جو لوگ صلاحیت والے ہیں ان کی مدد کمزور لوگوں کی بنیاد پر کی جارہی ہو، اس لیے تکبر سے بہت زیادہ دور رہا جائے۔

اسی طرح اگر باصلاحیت لوگوں کے متعلق کسی کے دل میں حسد کی کیفیت پیدا ہو تو یاد رہے کہ شیطان حاسد بھی تھا، وہ یہ آیت یاد رکھے:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ﴾

(اور اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر جو بڑائی دی ہے اس کی ہوس میں مت پڑو۔)

اللہ نے ایک کو دوسرے پر جو فضیلت دی ہے وہ تو فضل ہے، اس کی تمنا نہ کی جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آیت کا یہ ٹکڑا بھی یاد رکھا جائے: ﴿وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ﴾ (اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو) اللہ سے اس کا فضل مانگنا چاہیے، اللہ کا جو فضل اس پر ہوا ہے تم پر بھی ہوگا: ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾(الزمر: ۳۶) (کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟!)

ظاہر ہے کہ جو اللہ اس کے لیے کافی ہے وہی اللہ میرے لیے بھی کافی ہوگا، بس اللہ سے وہی تعلق قائم رہے، اللہ نے چاہا تو اس طرح کی کوئی خرابی کسی کے اندر پیدا نہیں ہوگی اور ہم امید کرتے ہیں کہ انشاء اللہ کسی کے اندر یہ خرابی نہیں ہوگی اور اگر ہوگی بھی تو ہمیشہ کے لیے صاف ہوجائے گی۔

ایک داعی کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ کسی سے حسد نہ کرے، شیطان حاسد بھی تھا، اسی لیے وہ برابر والوں کے اندر فساد برپا کرتا ہے کہ وہ کر رہا ہے تو میں بھی کروں اور اس کو گرادوں، یا میں اس کے مقابلہ میں اتنا زیادہ کام کروں کہ وہ گرادیا جائے۔

اسی طرح شیطان مفسد بھی تھا، جس کسی کے اندر اگر خدانخواستہ وہ کیفیت آجائے تو جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا' وہ یہ آیت یاد رکھے: ﴿وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾(البقرۃ: ۲۳۷) (اور آپس کے احسان کو بھول مت جاؤ۔)

آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرنا، ایک دوسرے کے ساتھ فضل کا معاملہ کرنا، ایک دوسرے کو آگے بڑھانے کی کوشش کرنا، اس کو کبھی فراموش نہ کردیا جائے، جو شخص پیچھے رہتا ہے، دوسرے کو آگے کرنے کے لیے اس کا پیچھے رہنا حقیقت میں آگے بڑھنا ہی ہے۔

اس وقت جتنی بھی جماعتیں ہیں، جتنی بھی جمعیات ہیں، جتنے بھی مدارس ہیں، جتنے بھی معاہد ہیں، جتنے بھی ادارے ہیں، اگر ان میں سے کسی کے اندر اس طرح کی کیفیات پائی جاسکتی ہوں تو یہ اس وقت کی ایک بڑی ضرورت ہے۔

آدمی ہر روز اللہ رب العزت کی پناہ چاہے کہ اے اللہ! مجھے نہ مفسد بنانا، نہ متکبر بنانا، نہ حاسد بنانا، بس اپنا بنالے، پھر انسان سب بھول جائے گا، تکبر بھول جائے گا، فساد بھول جائے گا، حسد بھول جائے گا، اسے اگر اپنی پڑی ہوگی تو اس طرح کے جتنے تماشے ہیں ان کو نظر انداز کردے گا، اپنے آپ کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے لیکن دوسروں کو گرا کر نہیں، دوسروں کو پچھاڑ کر نہیں بلکہ دوسروں کو اپنے ساتھ لے کر، دوسروں کی خیر خواہی کے جذبات رکھ کر ہم انشاء اللہ آگے بڑھیں گے اور یہ قافلہ ہمیشہ رواں دواں رہے گا۔



اولاد کی تعلیم وتربیت اور والدین کی ذمہ داری



محمد امین حسنی ندوی

اولاد اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور والدین کے لیے ایک اہم امانت ہے۔اس امانت کی حفاظت اور اس کی صحیح تربیت والدین کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے۔یہ نسل بنیادی کردار ادا کرسکتی ہے معاشرے کی اصلاح میں،اولاد کی تربیت کا مقصد صرف اسے تعلیم یافتہ بنانا یا دنیاوی کامیابیوں سے ہم کنار کرنا نہیں بلکہ اس کے اندر ایمان وعقیدہ کی پختگی، اخلاق وکردار کی پاکیزگی، عبادات کی پابندی، خدمت خلق کا جذبہ اور زندگی کے صحیح مقاصد کا شعور پیدا کرنا بھی ہے۔

کچھ اولادیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے سکون کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور کچھ اولادیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے والدین کے لیے شرمندگی اور ندامت کا باعث ہوتی ہیں،اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان میں اپنے نیک بندوں کا جہاں تذکرہ کیا وہیں ان کی صفات حمیدہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ان کی اس دعا کو بھی ذکر فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾

(اور جو یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے ہم کو آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔)

دوسری جگہ ایمان والوں کو صاف اور واضح حکم دیا گیا کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾

(اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (جہنم کی) آگ سے۔)

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ والدین کی ذمہ داری صرف اولاد کی جسمانی ضروریات پوری کرنا نہیں بلکہ ان کی دینی واخلاقی تربیت کا اہتمام کرنا بھی ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما نحل والد ولده من نحل أفضل من أدب حسن"

(کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھے ادب وتربیت سے بڑھ کر کوئی بہتر تحفہ نہیں دیا۔)

آج جن حالات میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، ہماری نوجوان نسل کو بربادی کے راستے پر لگایا جارہا ہے،ان کے ایمان وعقیدے کو کمزور کیا جارہا ہے،ان پر ضرب لگائی جارہی ہے۔موبائل فون گھر گھر عام ہوچکا ہے،اسمارٹ آلات کی فراہمی، اسکرینوں پر گھنٹوں بچوں کا لگے رہنا اس نے ان کے بچپن کو برباد کردیا ہے جس اسلام نے جسمانی قوت کا درس دیا،جس نے ان کھیلوں کو پسند کیا جس سے جسم انسانی کو طاقت ملتی ہے،ورزش کو پسند کیا،جس نے دوڑ کو، تیراندازی کو، تیراکی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا آج اسی اسلام کے ماننے والوں کے اندر سوشل میڈیا (انسٹاگرام،فیسبک اور یوٹیوب) کے ذریعہ سستی اور کاہلی پیدا کی جارہی ہے،ان کے اندر دینی بیزاری پیدا ہورہی ہے،یہ ڈیجیٹل آلات ہمارے گھروں کا نظام درہم برہم کررہے ہیں۔

ہم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو مختلف شعبہ ہائے زندگی، جامعات، کالجوں اور غیر ملکی تعلیمی اداروں میں ایسے لوگوں کے حوالے کردیتے ہیں جو ہمارے ایمان وعقیدہ کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتے ہیں مگر ہم بے پروائی اور تذبذب کی کیفیت میں زندگی گزارتے رہتے ہیں،ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ہم سے ہماری ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور ہماری اولاد کے متعلق بھی سوال ہوگا کہ ہم نے ان کی تربیت اور ان کے ایمان کی حفاظت کے لیے کیا اقدامات کیے،ورنہ کل یہی اولاد ہمارے خلاف حجت بنے گی اور اللہ کے

سامنے یہ کہے گی:

﴿رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا☆ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْناً كَبِيراً﴾

(اور کہیں گے اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی بات مانی تو انھوں نے ہمیں گمراہ کیا، اے ہمارے رب! ان کو دوہرا عذاب دے اور ان پر بڑی پھٹکار برسا۔)

تب ہمارے پاس سوائے افسوس وحسرت کے کچھ نہ بچے گا۔

اولاد کی تربیت ایک بڑی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہم ناکام ثابت ہورہے ہیں، اپنے بچوں کو ہم وقت نہیں دے پاتے ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، ان سے محبت اور تعلق کا اظہار نہیں کرتے، ان کے سوالات پر ان کو جھڑکتے ہیں، ڈانٹ دیتے ہیں، ان کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں، ان کے اعتماد کو توڑ دیتے ہیں، اس کا نتیجہ پھر یہ ہوتا ہے کہ اولاد ہم سے دور ہوتی ہے، جب ان کی ہم کو ضرورت ہوگی تو ہم کف افسوس ملیں گے اور اپنے اس عمل پر پچھتائیں گے۔

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مضمون میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”والدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کریں جو انہیں اچھے اخلاق سے دور کردے اور جو حیا کے منافی اور عزت وشرافت سے الگ ہو کیونکہ بچے بھی اپنے والدین کی جانب سے صادر ہونے والے ہر قول وفعل کو خواہ اچھے ہوں یا برے، ہر حال میں قبول کرلیتے ہیں اور والدین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بری باتوں سے اجتناب کے پہلوؤں کو واضح کریں اور ان سے باز رکھنے کے لئے بچوں کے سامنے سلف صالحین کے مثالی واقعات پیش کریں۔“

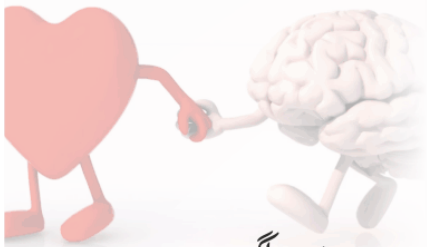
ایک جگہ مزید لکھتے ہیں:

”سب سے زیادہ اہمیت کی حامل اور بچے پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی چیز گھریلو زندگی کا دائرہ عمل ہے جس میں والدین اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور اس میں خاص طور پر والدہ کا رول بہت ہی اہم، گہرا اور اثر انداز ہونے والا ہوتا ہے، اس مرحلہ میں بڑی حد تک بچہ ایک گندھی ہوئی مٹی کی طرح ہوتا ہے جس کی اخلاقی اور ذہنی کیفیت کو بہت ہی سہولت کے ساتھ کسی سانچہ میں ڈھالنا ممکن ہوتا ہے، بالکل مٹی کے اس برتن کی طرح جسے کمہار گیلی مٹی سے بناتا ہے، حضور ﷺ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے بچہ کی دینی صورت حال کے سلسلہ میں فرمایا:

”کل مولود یولد علی الفطرة فأبواه یهودانه أو ینصرانه أو یمجسانه“

یعنی بچے اصل فطرت پر پیدا ہوتے ہیں (جو اسلامی مزاج کے مطابق ہوتے ہیں) پھر ان کے والدین اگر یہودی ہوئے تو یہودی اور نصرانی ہوئے تو نصرانی بنالیتے ہیں، اگر مجوسی ہوئے تو انہیں مجوسی بنادیتے ہیں، اسی بنا پر احادیث میں بچہ کی دینی تربیت کی جانب خاص طور سے توجہ دلائی گئی ہے اور دین اسلام کا سب سے اہم اور واجب امر یعنی نماز کے سلسلہ میں سات سال کی عمر ہو تو اس کو سمجھا کر اس کی ادائیگی کے لئے اور دس سال گزرنے پر نہ کرے تو سختی اور سزا اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ بچپن میں نماز کی ادائیگی کی عادت پڑ جائے تو زندگی بھر اس کی عادت رہتی ہے۔

لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ماضی کی طرف پلٹیں، انبیاء علیہم السلام، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں اور اپنے بچوں کو ان کی زندگی کے بارے میں بتائیں اور ان کے دور سے رہنمائی حاصل کریں، اپنے بچوں کے اندر عمدہ صفات، پسندیدہ عادات اور اخلاق حسنہ پیدا کریں اور مکارم اخلاق سے ان کے کردار کو آراستہ کریں، ان کے اندر بہادری کے وہ جوہر پیدا کرنے کی کوشش کریں جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں پائے جاتے ہیں، ایمان سے ان کا رشتہ مضبوط کریں، دل ودماغ میں اسلام کی حقانیت کو راسخ کریں کوشش کریں کہ اولاد کے سامنے تہذیب کا دامن تھامے رہیں، ان کے سامنے اپنے عمل سے اپنے قول سے اسلامی تعلیمات پیش کریں۔



قلب انسانی وجود کا سلطان

مولانا محمد سلمان بجنوری ندوی

دل انسانی وجود کا وہ اسرار خانہ ہے جہاں جذبات جنم لیتے ہیں اور نیتیں پروان چڑھتی ہیں، یہ روح کا وہ آئینہ ہے جس میں خالق کائنات کی تجلیات کا عکس نظر آتا ہے، جب یہ آئینہ گناہوں اور غفلت کے غبار سے دھندلا ہو جاتا ہے تو انسان کا پورا وجود تاریکی کی لپیٹ میں آجاتا ہے، باطن کی شادابی اور آخرت کی سرخ روئی کے لیے دل کی اصلاح سے بڑھ کر کوئی عمل ضروری نہیں، علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اسی حقیقت کو بڑے دل نشین انداز میں بیان کیا ہے:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اسلامی تعلیمات میں دل کو انسانی جسم کا حکمران تسلیم کیا گیا ہے، اگر سلطان عادل اور پاکیزہ ہو تو پوری سلطنت (جسم کے اعضاء) میں خیر و برکت کا نظام نافذ ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے دل کی اسی مرکزیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

"أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ."

(رواه البخاری)

(خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹھیک ہو جاتا ہے تو پورا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے، سنو! وہ دل ہے۔)

دل کی زمین بڑی زرخیز ہے، اگر اس میں ذکر اور فکر آخرت کی شبنم گرتی رہے تو اس سے اخلاص وللّٰہیت، اخوت و محبت، ایثار و ہمدردی اور صلہ رحمی کے پھول کھلتے ہیں، دل کا چمن شاداب نظر آتا ہے لیکن اگر اسے گناہوں کی تپتی دھوپ میں چھوڑ دیا جائے تو یہ خشک و بنجر ہو کر بغض وعداوت، کینہ وحسد اور نفرت و تکبر کی جھاڑیاں اگانے لگتی ہے۔

جس طرح موسم خزاں باغ کے حسن کو چھین لیتا ہے، اسی طرح کچھ باطنی بیماریاں دل کی رعنائی کو ختم کر کے اسے سنگ لاخ چٹان بنا دیتی ہیں، قرآن کریم نے دلوں کی اسی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

﴿فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا﴾ (البقرة: ١٠)

(ان کے دلوں میں بیماری ہے پس اللہ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔)

انسان کا دل جب گناہوں کی وادی میں قدم رکھتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، دھیرے دھیرے اس کا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، پھر اس پر کسی خیر کی بات کا اثر نہیں ہوتا اور جب گناہ حد سے بڑھ جاتے ہیں تو دل پر ایک ایسا قفل (تالا) لگ جاتا ہے جسے قرآن نے ﴿رَانَ﴾ (زنگ) سے تعبیر کیا ہے:

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

(المطففين: ١٤)

(ہرگز نہیں بات یہ ہے کہ ان کے کرتوتوں کی بنا پر ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔)

دل کی قدر و منزلت کا اندازہ ہم اس طرح لگا سکتے ہیں کہ آخرت میں دل ہی کا سکہ چلے گا، یہ دنیاوی ظاہری چمک دمک، عہدے منصب سب دھرے رہ جائیں گے، دنیا میں کتنا نام کمایا تھا یا نہیں کمایا تھا، اس کا کوئی ذکر ہی نہیں ہوگا، روز قیامت کی عدالت میں نہ تو دنیاوی جاہ وجلال کام آئے گا اور نہ ہی مال ومتاع اور دولت کا انبار، وہاں صرف وہ بندہ کامیاب ہوگا جو پاکیزہ اور صاف وشفاف دل لے کر حاضر ہوگا، فرمان الٰہی ہے:

﴿يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾(الشعراء: ۸۸-۸۹)

(جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے، سوائے اس کے جو اللہ کے پاس قلبِ سلیم (پاکیزہ دل) لے کر آئے گا۔)

دل کا زنگ دور کرنے اور اس کی اصلاح کے لیے امت کے اولیاء اور مفسرین نے نہایت گراں قدر نسخے اور اقوال بیان کیے ہیں، امام ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف 'الوابل الصیب' میں فرماتے ہیں:

''دل کا زنگ دو چیزوں سے چڑھتا ہے؛ غفلت اور گناہ اور اس کی جلا (صفائی) دو چیزوں سے ہوتی ہے؛ استغفار اور ذکر الٰہی۔''

امام نووی نے "الحلیۃ" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جب ابراہیم ابن ادہم سے دل کی سختی کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے پانچ علاج بتائے:

۱-قرآن مجید کو تدبر (سمجھ) کے ساتھ پڑھنا۔

۲-کم کھانا (خالی پیٹ رہنا تاکہ عبادات میں دل لگے۔)

۳-رات کا قیام (تہجد کی نماز۔)

۴-سحر کے وقت اللہ کے سامنے گڑگڑانا اور استغفار کرنا۔

۵- نیک اور صالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔

امام غزالیؒ نے 'احیاء علوم الدین' میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حسن بصریؒ سے شکایت کی کہ

''میرا دل بیدار نہیں ہوتا''

تو آپ نے فرمایا:

''اپنے دل کو گناہوں کے زہر سے بچاؤ کیونکہ گناہ دل کو اسی طرح اندھا کر دیتے ہیں جیسے دھواں شیشے کو سیاہ کر دیتا ہے، اپنے دل کا علاج کثرتِ سکوت (خاموشی) اور محاسبہ نفس سے کرو۔''

مولانا جلال الدین رومیؒ نے دل کو پاک کرنے اور باطنی انوار کے ظہور کی بنیادی شرط کو اپنی 'مثنوی معنوی' میں اس لازوال شعر کے ذریعے واضح کیا ہے:

آئینہ دل چوں شود صاف و مصفّا
نقش ہائے غیب بینی در وے پیدا

(جب دل کا آئینہ صاف اور پاکیزہ ہو جاتا ہے تو اس میں غیب کے انوار اور ربانی حقائق ظاہر ہونے لگتے ہیں۔)

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا کہ دل بادشاہ ہے، انسانی وجود کا سلطان ہے، اگر یہ درست ہے تو اس کے ماتحت تمام اعضاء درست اور صحیح کام کرتے ہیں، لہٰذا اگر دل میں خرابی پیدا ہوتی ہے، وہ زنگ آلود ہوتا ہے، وہ سیاہ ہو جاتا ہے تو اس کی صفائی اور اس کو صیقل کرنے کا بھی طریقہ ہے، اس کے لیے کثرت ذکر، توبہ و استغفار کیا جائے، ندامت کے آنسو بہائے جائیں، توبہ دل کے داغوں کو ایسے دھو دیتی ہے، جیسے باران رحمت زمین کی دھول مٹی کو صاف کر دیتی ہے، قرآن پاک میں ہے:

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾(الرعد: ۲۸)

(سنو! اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔)

اسی کے ساتھ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے، ان کے پاس وقت گزارا جائے اور جس اللہ والے کی صحبت میں رہا جائے، اس سے تعلق اور محبت بھی ہو، کیونکہ صحبت کا فائدہ محبت سے ہوتا ہے، اگر صحبت صالح کے ساتھ تعلق و محبت نہ ہو تو وہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

اصلاحِ قلب دراصل خود سے خدا تک پہنچنے کا ایک مسلسل اور خوبصورت سفر ہے، یہ اپنے باطن کے نہاں خانوں کی صفائی کا نام ہے، جب دل کی زمین عشق رسول ﷺ، خوفِ خدا اور بزرگوں کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر مہک اٹھتی ہے تو انسان کا ظاہر اور باطن یکجا ہو کر کمالِ بندگی کی تصویر بن جاتا ہے، ہمیں ہر لمحہ اپنے دل کی دھڑکنوں کی نگرانی کرنی چاہیے تاکہ یہ صرف اپنے حقیقی مالک کی فرماں برداری میں دھڑکیں ؎

خرد نے کہہ بھی دیا 'لا الٰہ' تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

الحاد کا طوفان - اسباب اور علاج

محمد نجم الدین الرحیمی ندوی

عصر حاضر میں ماڈرنزم نے الحاد ودہریت کے فروغ واشاعت میں تعلیم ودانش کے میدان سے بھی راہ پائی ہے، کیوں کہ اس کے ذریعہ سے اس نے پیش قدمی کی اور مغربی سوچ وبچار کو عام کرنے میں بہت زیادہ مدد حاصل ہوئی، نظام تعلیم وتربیت نے بھی اس سلسلہ میں بڑا رول ادا کیا، نظام تعلیم میں ثانویت آئی، ملحدانہ فکر وخیال اور مادہ پرستانہ ذہنیت بنانا اور اسلامی تعلیم اور اس کے نظام کے حوالہ سے عقل وذہن میں یہ بٹھانا کہ یہ صرف ایک نظری چیز ہے اس کا عملی پہلو سے کسی قسم کا باہمی ربط وارتباط نہیں، جب کہ دانایانِ فرنگ نے علم وجستجو کی راہ سے اور عملی پہلو سے جن حقائق کا ادراک وانکشاف کیا' وہ کچھ اور ہیں، ایک طرف یہ ہے اور دوسری طرف اس کا شور پوری دنیا میں مچایا گیا کہ عورتوں کا ساتھ بڑا ظلم اور زیادتی ہوئی ہے اور ہورہی ہے، اس کے لئے وسائل اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ یہ باور کرایا گیا کہ عورت کے حوالے سے مغرب سے اٹھنے والی یہ آواز اور تحریک وقت کی آواز اور صحیح ہے، پھر کیا ہوا، وہ دنیا کے سامنے ہے کہ آزادی نسواں کی تحریک اور پروپیگنڈا مہم نے حسن کی دیوی اور پاپا کی پری کا انجام کیا دکھایا ہے، مغرب اور اس کی تہذیب نے شمع محفل اور شہوت کی نشانی بنا کر عبرت وموعظت کا سامان اور بے بسی کا عنوان بنادیا، اور جب چراغ خانہ کو شمع محفل اور سبھا کی زینت بن جائے تو اس میں شبہ نہیں رہ جاتا کہ ہرنا کردنی کردنی بن کر رہتی ہے اور ہر بے حیائی عزت میں تبدیل ہوجاتی ہے اور ہر محال ممکن ہوکر رہتا ہے۔

مغربی تہذیب ساری دنیا میں آج مسلط ہے، اس کے پیدا کردہ تمام جرائم کے اعداد وشمار پر اگر صرف ایک دن کی خبروں کے لئے ایک کتاب بھی ناکافی ہو، مشرقی ومغربی دنیا کا ہر اخبار روزانہ ایسے واقعات کی خبر دیتا ہے کہ برضا ورغبت زنا کاری کی چھوٹ کے باوجود بہ جبر واکراہ زیادتی وعصمت دری کے واقعات میں اضافہ ہورہا ہے اور یہ نہیں بلکہ اس آزاد خطہ میں اخبار اور سوشل میڈیا کے توسط سے بہت سے واقعات سامنے آتے ہیں کہ ابھی گزشتہ مہینہ راجستھان کے ایک علاقہ میں کسی پاکیزہ دوشیزہ کی عصمت دری کا دردناک حادثہ پیش آیا، علاوہ ازیں کبھی اخبار میں ایسی سرخی بھی نظر سے گزرتی ہے کہ عورتوں نے مردوں کے ساتھ زنا کاری کی، واقعہ یہ کہ یہ سب اسی آزادی نسواں کی برکت ہے اور آج عائلی زندگی اجیرن بن چکی ہے، ایک مستشرق مفکر فشر کی زبان میں ہم یہ سکتے ہیں، انہوں نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ میں اس بات کا صراحت کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ ہمارے یہاں گھریلو زندگی اپنے پورے وسیع مفہوم کے ساتھ اجیرن بن چکی ہے اور ہم اس کی وجہ سے بہت سے نقصانات بھگت رہے ہیں لیکن دراصل یہ علمی ترقی کا ٹیکس ہے جو ہم کو ادا کرنا پڑتا ہے۔ دانش آباد یورپ وامریکہ کے عاقلوں اور حکیموں کی تحقیق اور انکشاف نے بھی اب یہ ثابت کردیا ہے کہ مغرب میں خاندانی نظام ٹوٹ کر بکھر گیا ہے۔ سابق صدر سوویت یونین میخائل گورباچف (Mikhail Gorbachev) نے ایک کتاب (Perestroika- The New thinking for our country and the world) لکھی جو پوری دنیا میں مشہور ہے، اس کتاب میں انھوں نے ایک باب' عورت پر لکھا ہے، جس میں وہ یہ لکھنے پر مجبور ہے:

’’ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکال دیا گیا اور اس کو گھر سے باہر نکالنے کے نتیجے میں بیشک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کئے اور پیداوار میں کچھ اضافہ ہوا، اس لئے کہ مرد بھی کام کررہے ہیں اور عورتیں بھی کام کررہی ہیں، لیکن پیداوار کے زیادہ ہوجانے کے باوجود اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہوگیا اور اس فیملی سسٹم کے تباہ ہوجانے کے نتیجے میں ہمیں جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں، وہ نقصانات ان فوائد سے زیادہ ہیں، جو پروڈکشن (production) کے اضافے کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوئے، لہٰذا میں اپنے ملک میں ’’پروسٹرائی کا‘‘ کے نام سے ایک تحریک شروع کررہا ہوں، اس میں میرا ایک بہت ہی بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے‘ اس کو واپس گھر میں کیسے لایا جائے، اس کے طریقے سوچنے پریں گے، ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہوچکا ہے، اسی طرح ہماری قوم تباہ ہوجائے گی۔‘‘ (اصلاحی خطبات: ۱/۱۴۴)

یہی وہ اساس ہے کہ ڈاکٹر محمد اقبال کہنے پر مجبور ہیں، انہوں نے ایک شعر میں اس پر تبصرہ کیا وہ انتہائی جامع ہے:

بے کاری و مے خواری وعریانی وافلاس
کیا کم ہے فرنگی مدنیت کے فتوحات

یہ سب کچھ آزادی نسواں اور حریت فکر وعمل کے نتیجے میں ہوا ہے، اس کے سد باب اور اس خاندانی بکھرتے نظام اور ٹوٹتے رشتے سے اور آزادی نسواں سے فریب کن الحادی نعروں اور فکروں سے نکلنے اور ان سے نجات حاصل کرنے کا واحد راستہ اور اس کا اکیلا ومنفرد حل صالح ومتوازن اور پاکیزہ سوسائٹی کی تشکیل وتعمیر ہے، اس کے لئے اسلام نے ایک مستقل اور پائدار خاندانی نظام بنایا ہے اور عورت کے مقام ومرتبہ کی تعیین کی ہے، حیران وپریشان اور مصیبت زدہ زندگی سے سکون وچین کی زندگی کی طرف واپسی کے لئے یہ جاننا اور عمل کرنا ضروری ہے کہ اسلام نے عورت کو کیا مقام دیا اور اس کے لئے جو حدود اور دائرہ کار قائم کئے گئے ہیں‘ وہ معلوم ہوں اور دین کو ہر شعبہ زندگی میں زندگی دی جائے، ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھا جائے کہ ثقافت کے میدان میں بھی اس کا خیال رکھنا ناگزیر ہوگا، اسی طرح سے ہر میدان میں اس کی فکر ضروری ہوگی کہ اسلامی تعلیمات سے ٹکراؤ نہ ہو اور قانونِ الٰہی اور حدود کے دائرہ سے آزادی وبے راہ روی نہ پائے جائے۔

ہوس کی امیری اور ہوس کی وزیری کے اس دور میں ضروری ہے کہ صحت مند ماحول پیدا کیا جائے، غیروں سے مرعوبیت کا مرض ختم کیا جائے اور مسلمانوں کی بے عملی کو عمل میں ڈھالا جائے، اس کے لئے گھر میں ماحول بنایا جائے، اسکول ومدرسہ کے پیمانے پر محنت کی جائے اور ذرائع ابلاغ کا بہتر سے بہتر استعمال اس کی تشہیر کے لئے کی جائے، اور مضر ذرائع ابلاغ سے گھر وماحول کو بچانا اور نفع وضرر سے آگاہ کرنا اور اسلام کی صاف ستھری تعلیمات سے واقف کرانا، اسلامی نظام زندگی کے اختیار کرنے کی بہتری کو نمایاں کیا جائے اور بہتر اجتماعی نظام کا قیام ہو، اس کے لئے نسخہ تشفی بخش وہ ہے جسے اسلام نے پیش کرکے چودہ سو سال پہلے مسلمانوں نے انسانی دنیا کو دکھایا اور بتایا کہ عافیت وسکون اور ہر کامیابی اسی طریقہ ونسخہ کے اختیار کرنے میں مضمر ہے، مغرب کی ہر طرح کی روحانی، اخلاقی اور قانونی ومذہبی افلاس کی غلامی سے نکل کر نور ہدایت کی طرف آنے میں کامیابی ہے تاکہ نور کے اس مشعل کی روشنی سے روشنی حاصل کرکے انسانی دنیا کے جسم پر ہی حکمرانی نہ ہو بلکہ اس کے قلب وضمیر کی گہرائیوں پر اس مشعل کی روشنی تاباں وروشن کرے۔

انبیاء کی مخالفت کا ایک بڑا سبب

ابوالحسن علی حسنی ندوی

اس دنیا میں سب سے بلندترین مقام جس جماعت کو حاصل ہوا وہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے، یہ وہ جماعت ہے جس کا انتخاب اللہ رب العزت کی جانب سے دنیائے انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہوا، اس جماعت نے مختلف ادوار میں اپنی اپنی قوم کو گھٹاٹوپ تاریکیوں سے نکال کر انوار قدسی سے روشناس کرانے کی انتھک کوشش کی ہے لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ان مبارک شخصیات کے مکمل اخلاص، قوم کے تئیں خیر خواہانہ جذبات اور بغیر کسی عوض کے مقدور بھر جدوجہد کے باوجود قوم کی جانب سے انہیں شدید انکار کا سامنا کرنا پڑا، ان کے انکار کے مختلف اسباب کا جائزہ لینے پر در پردہ ایک چیز کارفرما نظر آتی ہے اور وہ ان کا تکبر ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام جو اپنی قوم کو ساڑھے نو سو (950) سال تک دعوت دیتے رہے، انہوں نے جس طرح اپنی قوم کو پیشکشیں کی تھیں ان کو ٹھکرانے کا بنیادی سبب تکبر کے سوا کچھ نہیں نظر آتا، انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ”اے میری قوم! اپنے پروردگار کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرو، اپنے گناہوں پر نادم ہو جاؤ، تمہارا رب تم پر موسلا دھار بارشیں برسائے گا، تمہارے مال و دولت اور آل واولاد میں خوب فراوانی عطا فرمائے گا، مزید تمہارے لیے باغات کے باغات لگا دیے جائیں گے اور نہریں جاری کر دی جائیں گی۔“

یہ ایسی پیشکش تھی کہ قوم کے لیے اس میں فائدہ کے سوا کچھ نہ تھا، اگر استغفار کے نتیجہ میں اتنی ساری نعمتیں یکلخت مل جاتیں اور یقیناً مل جاتیں تو زندگی گل وگل زار ہو جاتی اور اگر یہ پیشین گوئی سچ نہ ہوتی تب تو ان کو حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب اور (معاذ اللہ) ان کی کذب بیانی ثابت کرنے کا سنہرا موقع ہاتھ آتا لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود قوم نے استغفار نہ کیا، ان کے لیے یہ بات بڑی گراں بار تھی کہ یہ خیر ہمیں نوح علیہ السلام کے ذریعہ حاصل ہو، ان کا یہ طرز عمل واضح طور سے ان کے تکبر کی نشان دہی کرتا ہے، قرآن کریم نے خود حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی ان کے تکبر کی گواہی دی ہے، سورۂ نوح میں ہے:

﴿وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾

(اور جب جب میں نے ان کو بلایا تاکہ تو ان کو معاف کر دے تو انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اپنے کپڑے لپیٹ لیے اور اڑ گئے اور انھوں نے بڑی اکڑ دکھائی۔)

تقریباً یہی صورت حال قوم عاد کی تھی، حضرت ہود علیہ السلام نے بھی ان کو اسی طرح کی پیشکش کی تھی بلکہ اس سے بڑھ کر جس طاقت وقوت پر انہیں بڑا ناز تھا اس طاقت میں اللہ کی طرف سے مزید اضافے کی ضمانت دی گئی لیکن ان گھمنڈ کے ماروں کو اللہ کی یہ کرم فرمائیاں راس نہ آئیں اور ان کا تکبر انہیں لے ڈوبا، سورۂ ہود میں ہے:

﴿وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ☆ قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ﴾

(اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اسی کی طرف رجوع کرو، وہ اوپر سے تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت میں اور طاقت کا اضافہ کر دے گا اور مجرم ہو کر مت پھرو، وہ بولے اے ہود! تم کوئی کھلی نشانی لے کر تو آئے

نہیں اور ہم صرف تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہی ہم تم پر یقین کرنے والے ہیں۔)

حضرت لوط علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو ان غلاظتوں اور بدکاریوں سے جن میں وہ سرتاپا غرق تھے نکال کر ان کے قلب و دماغ کو طہارت و پاکیزگی کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کرنے کی کوشش کی تو وہ ان کو ملک بدر کرنے کے درپے ہو گئے اور طنز و تشنیع کا وہ طرز اپنایا جو واضح طور سے ان کے تکبر و انانیت کا شاہد ہے، اس کا ذکر قرآن مجید سورۂ اعراف میں یوں کرتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ﴾

(ان کی قوم نے جواب میں صرف یہ کہا کہ ان کو بستی سے نکال باہر کرو یہ وہ لوگ ہیں جو بڑے پارسا بنتے ہیں۔)

یہی تکبر تھا جس سے بنی اسرائیل میں مبعوث تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنی اپنی قوموں کی بدتمیزیوں و بدعنوانیوں سے دوچار ہونا پڑا اور بعضوں کا انہی کے قوم کے ہاتھوں مظلومانہ شہادت کا شرمناک واقعہ پیش آیا، سورۂ بقرہ کی آیت اس بات کی گواہی دیتی ہے:

﴿أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقاً كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقاً تَقْتُلُونَ﴾

(کیا ایسا نہیں ہوا کہ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسی چیزوں کے ساتھ آیا جو تمہاری من چاہی نہ تھیں تو تم اکڑ گئے تو کچھ (نبیوں) کو تم نے جھٹلا دیا اور کچھ کو قتل کرنے پر لگ گئے۔)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین میں بھی نقطہ اشتراک یہی تکبر تھا، مکی دور میں سرداران مکہ کو اپنی سرداری و قیادت کا بڑا غرہ تھا اور ہر ایک اپنے آپ کو اس بات کا حق دار سمجھتا تھا کہ یہ کتاب ہدایت ہم پر نازل ہوتی، ہم کو نبوت کے لیے منتخب کیا جاتا اور ہمارے پاس فرشتہ آتا، سورۂ مدثر میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے:

﴿بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَى صُحُفاً مُنَشَّرَةً﴾

(البتہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے صحیفے دے دیئے جائیں۔)

اسی طرح ایک دوسری آیت میں ان کے اعتراض کا ذکر ہے کہ مکہ یا طائف میں سے کسی عظیم المرتبت آدمی کو نبی کیوں نہیں بنایا گیا لیکن اس میں بھی پس پردہ ان کا مقصد یہی نظر آتا ہے کہ ہم کو کیوں نبوت نہ ملی؟! سورۂ زخرف میں ہے:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾ (اور وہ بولے کہ یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا۔)

اور سورۂ ص میں اللہ رب العزت ان کے تکبر کا وضاحت سے ذکر کرتا ہے: ﴿بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ﴾ (بات یہ ہے کہ انکار کرنے والے غرور اور مخالفت میں لگے ہیں۔)

اسی طرح مدنی دور میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی دسیسہ کاریاں، جنگ احد کے موقع پر اس کا یہ کہہ کر آدھے راستے سے لوٹ جانا کہ میری رائے نہیں مانی گئی اور غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر اس کا اور اس کے ٹولہ کا یہ جملہ کہ ہم جیسے باعزت افراد کمزور و نادار مسلمانوں کو مدینے سے نکال دیں گے جس کا ذکر سورۂ منافقون میں اس طرح ہے:

﴿يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لا يَعْلَمُونَ﴾

(وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو وہاں جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا حالانکہ عزت سب کی سب اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے، البتہ منافق جانتے ہی نہیں۔)

اور پھر یہود مدینہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچاننے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا بلکہ آپ کے خلاف خفیہ تدابیر میں پیش پیش رہنا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) شہید کرنے کی کوشش کرنا، ان تمام باتوں میں جو چیز سب سے زیادہ سرگرم نظر آتی ہے وہ وہی ان کا حسد اور تکبر ہے جو پچھلی قوموں سے انہیں ورثہ میں ملا تھا۔

ملفوظات داعی اسلام

حضرت مولانا عبید اللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ضبط وپیش کش:

محمد عظیم الدین ندوی

ادب کی اھمیت:

فرمایا: ''﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَاللّٰهِ فَإِنَّهَامِنْ تَقْوَىٰ الْقُلُوْبِ﴾ (اور جس نے شعائر اللہ کی تعظیم کی تو یقیناً یہ دل کے تقویٰ کی بات ہے) شعائر اللہ کی تعظیم دل کے ادب کی بات ہے، واقعہ یہ ہے کہ ساری چیزیں اور کمالات ادب سے حاصل ہوتے ہیں، علم و عقل سے نہیں، اس لیے ادب کا ہونا ضروری ہے۔''

صحیح علم:

فرمایا: ''علم کا ہر ذریعہ ناقص ہے سوائے وحی کے اور وحی انبیاء پر آتی ہے، معلوم ہوا کہ اصل اور صحیح علم کے شارع انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اس لیے ہر الہام، ہر کشف اور ہر منام جب تک شریعت کے نور سے مستنیر نہ ہو اس کی کوئی حقیقت نہیں۔''

سب سے بڑا فریب:

فرمایا: ''سب سے زیادہ فریب اور جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھ کو وہ دکھائے جو اس نے دیکھا ہی نہیں یعنی جھوٹا خواب بیان کرے۔''

تعلق مع اللہ کی ضرورت:

فرمایا: ''حضرت تھانویؒ کا کہنا ہے کہ کسی درجہ میں بھی خدمتِ دین کا کام کرنے کے لیے سب سے پہلے اللہ سے تعلق قائم کرنا شرط ہے پھر اللہ تعالیٰ جس کام میں مناسب سمجھے گا لگا دے گا، آدمی اگر اللہ سے تعلق کے بغیر کام شروع کر دیتا ہے تو پھر وہ ایسی صورت میں بھٹکے گا اور صحیح طریقہ سے کام نہ کر سکے گا، اسی لیے حصول علم کے بعد ضروری ہے کہ کسی درجہ میں اللہ سے تعلق قائم کیا جائے اور خدا کا خوف دل میں ہو۔''

ذکر کی اھمیت:

فرمایا: ''﴿إِذَامَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا﴾ (جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں۔)

معلوم ہوا جب آدمی پر شیطانی حملہ ہو تو ذکر کرنا چاہیے، اس سے قلب کا تزکیہ ہوگا، حقیقت میں صحیح راہ ظاہری آنکھ سے نہیں دل کی آنکھ سے نظر آتی ہے اور دل کے مصفّیٰ ہونے کے لیے ذکر شرط ہے۔''

توفیق الٰھی:

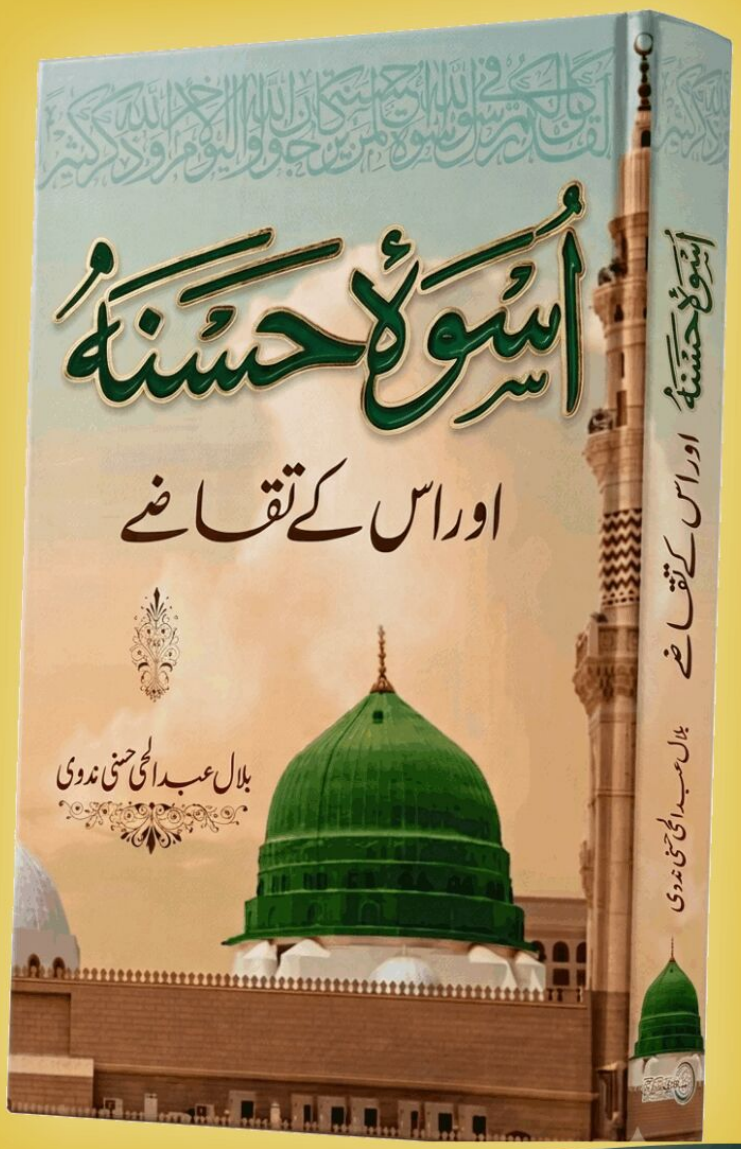
فرمایا: ''اللہ کی مرضی، اس کی توفیق اور اس کے انتخاب سے سب کام ہوتا ہے، وہ جس کو چاہیں جیسے نوازیں، کوئی کچھ کہنے کا حق دار تو کیا، سوچ بھی نہیں سکتا، اس لیے ہر آدمی صرف اپنے رب ہی سے مانگے اور اسی کا نام لیتا رہے، انشاء اللہ کام ہو جائے گا۔''

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 18 ⚜ November 2026 ⚜ Issue: 11

سید احمد شہید اکیڈمی کی پیشکش



Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)